باب اوّل

اُمتِ مسلمہ اور اس کا مقصدِ وجود

امت کی امتیازی حیثیت

امت مسلمہ جس وقت وجود میں لائی جا رہی تھی اس کے لانے والے نے اس کے بارے میں فرمایا تھا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ آل عمران 110:3

تم ایک بہترین امت ہو جو سب انسانوں کے لیے وجود میں لائی گئی ہے۔

یہ کلمات دو اجزا پر مشتمل ہیں:

(۱) مسلمانوں کی جماعت تمام انسانی جماعتوں میں سب سے اچھی جماعت ہوگی۔ دوسری کوئی جماعت کوئی قوم، کوئی پارٹی فکر اور عمل کی خوبیوں میں اس جیسی نہ ہوگی (كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ)

(۲) یہ جماعت' یہ امت مسلمہ' دنیا کی عام جماعتوں' قوموں اور گروہوں کی طرح زندگی کے اسٹیج پر معمول کے مطابق یوں ہی نہیں آ نکلی ہے بلکہ ایک خاص اہتمام سے نکال کر لائی گئی ہے۔ اس کے لائے جانے کے پیچھے ایک خاص مقصد کام کر رہا ہے۔ دنیا کے دوسرے تمام گروہوں کے اور اس کے درمیان ایک بنیادی فرق ہے' اور وہ یہ کہ یہ انھی میں سے ایک نہیں ہے بلکہ ان سب سے الگ اور ممتاز ہے۔ اور ان کی کسی خاص ضرورت کے لیے اسے وجود بخشا گیا اور اہتمام کے ساتھ بھیجا گیا ہے اور اب وہ ہمیشہ کے لیے اسی کی بجا آوری پر مامور ہے (أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں بھی اس امت کو صریح لفظوں میں ''مبعوث'' یعنی بھیجی اور مامور کی ہوئی امت قرار دیا گیا ہے، مثلاً:

فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ (بخاری جلد دوم)

تم نرمی سے کام لینے والے بنا کر بھیجے گئے ہو تنگیوں میں ڈالنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو۔

اللہ اور رسولؐ کے ان ارشادات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ دوسری تمام امتیں اور قومیں ایک سطح پر ہیں اور امت مسلمہ ایک دوسری سطح پر ہے۔ وہ ایک جداگانہ نوعیت کی مالک اور ایک امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔ جب اس کی نوعیت اور حیثیت دوسری تمام قوموں سے مختلف اور ممتاز ہے تو اس سے آپ سے آپ یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ اپنے طرز فکر میں، اپنے طریق عمل میں، اپنی دلچسپیوں میں، اپنی قدروں میں، اپنی پسند و ناپسند کے معیاروں میں، اپنے مزاج میں اور اپنے مقصد و نصب العین میں، غرض ایک ایک پہلو سے وہ اپنا الگ اور مخصوص مقام رکھتی ہے اور اس کے کسی معاملے کو دوسری کسی قوم یا جماعت پر ہرگز نہیں قیاس کیا جاسکتا۔

مقصدِ وجود (اقامتِ دین)

اس وضاحت سے اتنی بات تو متعین طور سے معلوم ہوجاتی ہے کہ اس امت کے وجود کا کوئی خاص اور ممتاز مقصد ہے۔ اب دریافت طلب بات یہ رہ جاتی ہے کہ اس کے وجود کا یہ خاص اور ممتاز مقصد کیا ہے؟ قرآن مجید نے مذکورہ بالا الفاظ فرمانے کے معاً بعد ہی اس سوال کا بھی جواب دے دیا ہے۔ وہ فرماتا ہے:

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ؕ آل عمران 110:3

تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

یعنی وہ خاص کام جس کے لیے مسلمانوں کا یہ گروہ برپا کیا گیا ہے، یہ ہے کہ وہ پوری نوعِ انسانی کو غلط فکریوں اور غلط کاریوں سے روک کر صحیح راہ پر لائے۔

اس خاص کام یا خاص مقصد کے بیان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو اور تعبیریں اختیار فرمائی ہیں۔ ان میں سے پہلی تعبیر ''شہادتِ حق'' کی ہے۔ چنانچہ اس کا ارشاد ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ البقرہ 143:2

اور اسی طرح ہم نے (اے مسلمانو!) تمھیں ایک معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم (دوسرے تمام)

انسانوں کے لیے گواہ بنو۔

اس مفہوم کی اور انھی جیسے لفظوں میں ایک آیت سورہ حج میں بھی موجود ہے، اور اگر چہ ان میں سے کسی آیت کے اندر بھی اس چیز کی صراحت نہیں کی گئی ہے جس کی گواہی (شہادت) دینے کے لیے یہ امت مبعوث کی گئی ہے۔ مگر اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ بجائے خود بالکل صریح تھی۔ ظاہر ہے کہ جو شے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جارہی تھی اس کے سوا اور کون سی چیز ہو سکتی ہے جس کی اہل دنیا کے سامنے شہادت دینے کا اسے ذمہ دار بنایا جاتا؟ اس کا ثبوت خود انھی آیتوں کے ان لفظوں میں بھی موجود ہے جو مذکورہ لفظوں کے بعد لائے گئے ہیں اور جن میں فرمایا ہے کہ ''اور پیغمبر تمھارے لیے گواہ ہو'' (وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا) البقرہ 143:2، غور کر لیجیے وہ کیا چیز تھی جس کی اہل ایمان کے سامنے گواہی دینے کے لیے اللہ کا رسولؐ بھیجا گیا تھا؟ اگر یہ چیز صرف وہ دین حق تھی جو اس پر نازل ہو رہا تھا اور اس میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں، جیسا کہ واقعہ ہے، تو اس میں بھی دو رائیں ممکن نہیں کہ جس چیز کی گواہی دینے کے لیے ''امت وسط'' کو قائم کیا گیا تھا وہ بھی یہی دین حق تھا جسے چاہے آپ ''دینِ حق'' کہہ لیجیے، چاہے صرف ''حق''۔

دوسری تعبیر ''اقامت دین'' کی ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ الشوریٰ 13:42

(مسلمانو!) اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جس کی (اے نبیؐ) ہم نے تم پر وحی کی ہے اور جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ کو موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ (مشکوٰۃ)

انھیں اللہ نے اپنے نبیؐ کی معیت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے پسند فرمایا تھا۔

یہ حدیث بھی اس امر کو ایک امرِ واقعہ بتاتی ہے کہ اس امت کی غایت وجود اللہ کے دین کی اقامت تھی۔

قرآن اور حدیث کے ان تینوں بیانات کی بنا پر امت مسلمہ کے مقصد وجود کے لیے آپ جس تعبیر کو چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس امت کا مقصد وجود امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ''شہادت حق'' ہے، اور یہ بھی کہ ''اقامت دین'' ہے۔ کیونکہ یہ تینوں ایک ہی مدعا کی مختلف تعبیریں ہیں اور ان میں سے جس کو بھی آپ استعمال کریں گے معنی ومقصود ہر حال میں ایک ہی ہوگا۔

لیکن معنی و مقصود کی اس یکسانی کے باوجود، اگر آپ ان تینوں تعبیرات کا گہری نظر سے جائزہ لے کر ان کا ہر پہلو سے موازنہ کریں گے تو یہ پائیں گے کہ آخری تعبیر میں جو جامعیت، جو ہمہ گیری اور جو صراحت ہے وہ دوسری تعبیروں میں نہیں ہے۔

زیادہ جامعیت اس طرح ہے کہ اس میں ''اقامت'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اقامت کا لفظ جیسا کہ آگے چل کر وضاحت سے معلوم ہوگا ایک مکمل کیفیت کا تصور پیش کرتا ہے۔

زیادہ ہمہ گیری یوں ہے کہ متعلقہ آیت میں صرف اتنا ہی نہیں فرمایا گیا ہے کہ فلاں شے مسلمانوں کا فریضۂ حیات ہے بلکہ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ یہی فریضہ ہر نبی کا اور اس کے ساتھیوں کا رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں گویا بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ پر ایمان لانے اور اس کی بندگی کا عہد کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے دین کی اقامت کی جائے۔

زیادہ صراحت اس طرح ہے کہ اس چیز کا ذکر جس کی اقامت اہل ایمان کو کرنی ہے متعلقہ آیت میں بالتصریح موجود ہے اور نام لے کر فرما دیا گیا ہے کہ یہ چیز ''الدین'' یعنی اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین ہے۔

ان خصوصیتوں کی بنا پر ''اقامت دین'' کی تعبیر کو غالب اصطلاح ہونے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لیے امت مسلمہ کا مقصد وجود ظاہر کرنے کے لیے اسی کا استعمال زیادہ مناسب رہے گا۔

اقامت دین کا مفہوم

''اقامت دین'' کی اصطلاح دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ایک ''اقامت'' دوسرا ''دین''۔ اس لیے اس کا مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان دونوں لفظوں کے الگ الگ معنی سمجھ لیے جائیں۔

اقامت کا لفظ جب کسی ٹھوس چیز کے لیے بولا جائے تو اس وقت اس کے معنی سیدھا کر دینے کے ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ط الکہف 77:18

دیوار (ایک طرف کو جھک گئی تھی اور) گرا چاہتی تھی تو اس نے اسے سیدھا کر دیا۔

اور جب وہ کسی ٹھوس چیز کے بجائے معنوی اشیا کے لیے بولا جاتا ہے تو اس وقت اس کا مفہوم پورا پورا حق ادا کر دینے کا ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ متعلقہ کام کو پوری توجہ اور کامل اہتمام کے ساتھ بہترین شکل میں انجام دے دیا جائے۔ امام اللغۃ علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

اقامة الشی توفیۃ حقه وَقَالَ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ المائدہ 68:5 ای توفون حقوقها بالعلم و العمل۔ (المفردات)

کسی چیز کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حقوق اچھی طرح پورے کر دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے پیغمبرؑ کہہ دو اے اہل کتاب! تم کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تورات اور انجیل کو قائم نہ کرلو۔ یعنی جب تک کہ علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے ان کے حقوق ادا نہ کر دو۔

اس مفہوم کو ایک مثال سے سمجھیے، قرآن میں نماز کی اقامت کا حکم دیا گیا ہے۔ ''اقامت'' کے اس مفہوم کی رو سے نماز کی اقامت یہ ہوگی کہ اسے اس کے تمام ظاہری آداب وشرائط اور سارے باطنی محاسن کے ساتھ ادا کیا جاتا رہے۔ اس طرح کہ نماز کا جو مقصد ہے وہ بحسن وخوبی حاصل ہوتا رہے، لہٰذا دین کی اقامت یہ ہوئی کہ اس کے ماننے والے علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے اس کے ماننے کا حق ادا کر دیں۔

''دین'' کے لغوی معنی اطاعت کے ہیں۔ اور اصطلاحاً اس سے مراد اللہ کی بندگی کا وہ

طریقہ اور انسانی زندگی کا وہ نظام ہے جو اللہ تعالیٰ کی جناب سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس کے بندوں کو عمل درآمد کے لیے دیا گیا ہے۔ اور جس کی تفصیلات اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت میں موجود ہیں۔ ان تفصیلات کے دیکھنے سے اس بات میں کسی شک کی گنجائش مطلق نہیں رہ جاتی کہ انسانیت کا کوئی مسئلہ اور انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو اس کے دائرے میں نہ آ گیا ہو۔ یہ دین انسان کی عقل وفہم اور اس کے دل کی گہرائیوں سے شروع ہو کر اس کی عبادت گاہوں، اس کے گھر کی چار دیواریوں، اس کے خاندانی حلقوں، اس کے تمدنی اداروں سے ہوتا ہوا اس کے تمام اجتماعی اور بین الاقوامی مسئلوں کے آخری کنارے تک پہنچتا ہے اور ہر مسئلے، ہر معاملے اور ہر شعبے کے متعلق اپنی مستقل ہدایات دیتا ہے۔ وہ انسان کی کسی ایسی نجی اور پرائیویٹ زندگی کا بالکل قائل نہیں، جس میں وہ اپنی سی کرنے میں آزاد ہو، وہ انسانی زندگی کے لیے کسی ''ایسی دنیا'' کا وجود تسلیم کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں جہاں وہ خود موجود نہ ہو۔ وہ ایمانیات کو' عقائد کو' عبادات کو' اخلاق کو، تقویٰ اور احسان کو تو اپنے اجزا کہتا ہی ہے، بیت الخلا کے آداب اور ازدواجی تعلقات جیسی چیزوں کو بھی اپنے سے بے تعلق نہیں قرار دیتا، اور مجرموں پر سزا کے نفاذ کو بھی اللہ کا دین ہی کہتا ہے۔

وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ النور 2:24

اقامت اور ''دین'' کے ان مفہوموں کو سامنے رکھیے۔ ''اقامت دین'' کا مفہوم خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ جب اقامت کے معنی علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے پورا پورا حق ادا کرنے کے ہیں اور دین کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی ایسی کامل اطاعت ہے جس سے زندگی کا ایک گوشہ بھی بے تعلق نہیں اور جس کے مطالبے وہاں ختم ہوتے ہیں جہاں انسانیت کے مسائل کی آخری حد آ جاتی ہے تو اقامت دین کا مفہوم لازماً یہی ہوگا اور صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اس دین پر ایمان رکھنے والے اس سے پوری طرح واقف ہوں، اس کے بنیادی تصورات سے، اس کے اصول سے، اس سے احکام وہدایات سے باخبر ہوں۔ اس کے مقصد ومنشا کو

جانتے ہوں۔ انھیں یہ معلوم ہو کہ وہ اس دنیا میں ان کی کیا پوزیشن ٹھیراتا ہے؟ ان کے وجود کی کیا غایت مقرر کرتا ہے؟ اس غایت تک پہنچنے کے لیے سعی و عمل کی راہیں کیا تجویز کرتا ہے؟ انھیں کن کن باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے اور کن کن باتوں سے روکتا ہے؟ زندگی کے مختلف شعبوں میں انھیں کیا رویہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے؟ غرض بحیثیت فرد اور بحیثیت جماعت وہ ان سے زمین پر کس طرح رہنے کیا کرنے اور کیا بننے کا مطالبہ کرتا ہے؟ وہ یہ سب کچھ جانتے ہوں اور پھر اس جاننے کے مطابق اپنے عمل کو ڈھال لینے میں لگ جائیں۔ قرآن اور سنت کی ایک ایک ہدایت پر عمل ہو۔ شریعت کا ایک ایک حکم نافذ ہو۔ دین کے جتنے اصول ہوں ان سب پر، اور صرف ان ہی پر حیات ملی کی عمارت بنائی جائے۔ کوئی بھی معاملہ ہو نقطۂ نظر صرف وہ اختیار کیا جائے جو یہ دین سکھاتا ہے اور پوری سوسائٹی پر رنگ وہ چھا جائے جو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ دیکھنے والوں کو پورا ماحول قرآنی اور پورا معاشرہ ایک متحرک قرآن نظر آنے لگے۔ یعنی جس طرح کوئی بلند قامت شے سیدھی کھڑی کر دی جاتی ہے تو دیکھنے والے بیک نگاہ دیکھ لیتے ہیں کہ وہ کیا ہے اور کیسی ہے؟ اسی طرح یہ پورا دین انسانی زندگی پر اس طرح غالب اور نافذ ہو جائے کہ وہ دور سے ''دیکھ'' اور ''پہچان'' لیا جائے۔

☆......☆......☆......☆......☆